

## تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک!

سیاست، سماج اور روایات سے بڑے سوالات بھی ہیں اور اہم نکات بھی۔ بالآخر زندگی ہے کیا چیز۔ کیا یہ مکمل ہے کہ نامکمل۔ انسان کے ہاتھ میں کچھ ہے بھی کہ نہیں۔ اگر کچھ ہے تو دینے والے نے کن شرائط پر ادھار دیا ہوا ہے۔ کیا واقعی دنیا صرف اور صرف دلیل اور حواس پر قائم ہے۔ ”گُن فیگُون“ کا اصل مطلب کیا ہے۔ کیا واقعی اسکا معنی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ دنیاوی اسباب ایک سٹھ پر آ کر مشکلات میں کیسے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جب زندگی کی تھوڑی سی سمجھ آنے لگتی ہے تو فی الفور موقع دیے بغیر تم کیوں ہو جاتی ہے۔ یہ سب گھور کر دھندا ہے کیا۔ اسے سمجھنے کی ضرورت ہے یا نامعلوم راستوں پر چل کر ازال کے پانی میں گم ہو جانا اہم ہے۔ کیا کسی سوال کا کوئی جواب ہے یاد را صل جواب ہی سوال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر ہمارے ارد گرد عام سے نظر آنے والے بابے کون ہیں۔ تصوف کیوں آپکو زمین اور آسمان کے درمیان معلق کر دیتا ہے۔ یہ صوفیاء آپکو کتنے آرام سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ بھرپور قسم کے قذاق مگر کام آنے والے بڑے لوگ۔ یہی وہ انسان ہیں جو روح کے تارچھیٹ کر خود غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ، تہنا نشاں سے راستے پر تلاش کرتے کرتے ظاہری طور پر مٹی ہو جاتے ہیں۔

چند دن پہلے، آئر لینڈ کے صوفی کافون آیا۔ آواز میں استقامت اور قریبیہ تھی کہ میری والدہ انتقال کر گئی ہیں۔ ہو سکے تو دعا میں شامل ہو جائیے گا۔ صوفی کی بات سنکر پورے جسم میں خون کی گردوش تیز ہو گئی۔ وہ کہہ کیا رہا تھا۔ دوست، میری زندگی کا تمام سرمایہ، رزق خاک ہو گیا ہے۔ ماں جیسا عظیم دراب مستقل طور پر بند ہو چکا ہے۔ عجیب بات یہ تھی کہ آواز میں کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ وہی ٹھنڈا اسکون جو اسکی طبیعت کا خاصہ ہے۔ جس دم فون پر بات ہوئی، سفر میں تھا۔ اگلے روز سپریم کورٹ پہنچنا تھا۔ جہاں محترم ثاقب ثارنے پاکستان کے سب سے اہم موضوع یعنی ”پانی کی کمیابی“ پر سوڈ موڈنوُس لے رکھا تھا۔ ٹکر کھار کی خوبصورت وادی مکمل طور پر بخبر ہو چکی ہے اور سینٹ فیکٹریاں بغیر اجازت زیر آب پانی نکال کر استعمال کرتی رہیں۔ کسی روک ٹوک کے بغیر، کسی بھی ڈرخوف یا پیشمنی کے بغیر۔ خیریہ پوری رو داد چند دنوں میں عرض کروں گا۔ پانی کی اہمیت پر بے تحاشہ لکھ چکا ہوں۔ خدا، چیف جسٹس کو سلامت رکھے۔ زمینی فرعونوں کو کانپتے دیکھا اور طبیعت میں ایک احساس جا گا کہ میرا ملک لاوارث نہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ حکومت گزشتہ بارہ سال سے کیوں سوئی رہی۔ کیا وجہ تھی کہ معنی خیز مجرمانہ خاموشی کی آڑ میں اربوں روپے کی آبی چوری کی ان دیکھی اجازت دی جاتی رہی۔

اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ صوفی کو بتا سکتا کہ آنے میں تاخیر ہو گی۔ بہر حال واپس آ کر فون کیا اور اسکے گھر پہنچ گیا۔ سادہ اور نفیس آدمی جو ایمانداری سے زندگی گزارنے پر کامل یقین رکھتا ہے۔ دعا کی اور صوفی سے والدہ کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں۔ کمرے میں والدہ کی تصور نیما یاں جگہ پر لگی ہوئی تھی۔ میری والدہ امرتسر کی تھیں۔ سکول کا کبھی رخ نہ کیا۔ کہتی تھیں ان پڑھ ضرور ہوں مگر جاہل نہیں۔ دیکھو، اپنی ساری اولاد کو تھی محنت سے پڑھایا لکھایا ہے۔ ماں کی تربیت کا ہر رنگ صوفی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ صوفی بولتا رہا۔ خاموشی سے میں سننا رہا۔ جب جوان تھا تو گھر میں ہر وقت دوستوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ کوئی آرہا ہے اور کوئی وہیں مسلسل بیٹھا ہوا ہے۔ ماں جی کہتی تھی کہ

گھر میں جو بھی آئے اسکی بھر پور خاطر مارت کرنی چاہیے۔ چنانچہ صوفی اگر گھر میں نہیں ہوتا تھا، پھر بھی دوست اسکے کمرے میں برا جمان رہتے تھے۔ ماں جی کھانا بنانا کر بھیجتی رہتی تھیں۔ چائے کے وقت، تمام یار بیلی، ماں جی کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چائے پیتے تھے۔ صوفی بتار ہاتھا کہ دوستوں کی تواضع میں مرتے دم تک ماں جی نے کمی نہیں آنے دی۔ خیراب اس میں جو ہری تبدیلی آچکی ہے۔ دس بارہ سال سے گوشہ نہای کو ترجیح دیتا ہے۔

والدہ کی یماری کے متعلق مختلف باتیں بتاتا رہا۔ صوفی کا ایک بھائی لاہور کے ایک بھائی ہسپتال میں پروفیسر ہے۔ جب صحت جواب دینے لگی تو والدہ کو ڈاکٹر بھائی ساتھ لے گیا۔ والدہ کی طبی لحاظ سے دیکھ بھال شروع ہو گئی۔ انتقال سے چند دن پہلے، کومہ میں چل گئیں۔ صوفی نے فوری طور پر درویش کوفون کیا اور دعا کی استدعا کی۔ درویش نے ہاتھ اٹھائے اور بزرگ خاتون ہوش میں آگئیں۔ یہ انہوںی چار مرتبہ ہوئی۔ قطعاً عرض نہیں کر رہا کہ یہ سب کچھ دنیاوی اسباب کے بغیر ہوتا رہا۔ ہسپتال کے آئی۔ سی۔ یو میں موجود مریضہ کے ارد گرد ڈاکٹر اور نرسیں موجود تھیں۔ مگر انہیں کوئی امید نہ ہوتی تھی کہ زندگی میں واپس آجائیں گی۔ مگر جب بھی آئر لینڈ کا صوفی، درویش سے دعا کرواتا تھا، والدہ کے تمام حواس بحال ہو جاتے تھے۔ یہ سب کیا ہے، میری سمجھ سے باہر کا معاملہ ہے۔ بلکہ سوال تو یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ معاملہ کیونکر ہے۔ شائد ہم لوگ خدا کی قدرت سے آشنا نہیں ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ایک بات پر یقین ہے کہ صوفی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس میں غلط بیانی کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ معاملہ حد رجہ حیران کن ہے۔ آئر لینڈ کا صوفی بتانے لگا کہ صبح فجر پڑھ کر سویا تو خواب میں اپنے مرحوم والد کو دیکھا۔ خواب میں صوفی کو حکم دیا کہ بس اب رہنے دو۔ والدہ کو اب میرے پاس آنے دو۔ اس میں تعطل مت ڈالو۔ والد کے حکم کے بعد صوفی خاموش ہو گیا۔ اس گھری خاموشی کے چند گھنٹے بعد، والدہ نے اپنی بیٹی کو کہا کہ بس اب مجھے جانے دو۔ وقت پورا ہو گیا ہے۔ بیٹی نے فرط محبت سے کہا کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ ماں نے تکیہ پر سر کھا اور ابدي نیند سو گئی۔ ارد گرد لوگوں کو شروع میں یقین ہی نہیں آیا کہ بزرگ عورت دنیا سے کوچ کر چکی ہے۔ ماں جی، بہت سلیقہ سے دوسرا دنیا میں جا چکی تھیں۔ اس طرح کی آرام دہ موت بہت خوش قسمت لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔ ورنہ یہاں تو لوگ برسوں ایڑیاں رکڑتے رہتے ہیں۔ بستر پر مسلسل لینے سے کمر پر زخم ہو جاتے ہیں۔ مگر فرشتہِ اجل نہیں آتا۔ لوٹھیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں کہ یماری کی مشکل آسان ہو جائے یعنی خداموت بھیج دے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ طالب علم نے بیس بیس سال لوگوں کو سکتے دیکھا ہے۔ موت کی دعائیں مانگتے سنائے ہے۔ مگر موت ہے کہ آتی ہی نہیں۔ آرام دہ موت تو دنیاوی سفر کا خوبصورت ترین انجام ہے۔ کسی بہترین تصویر کی مانند یا شائد بے مثال۔

صوفی نے ایک اور عجیب سی بات بتائی۔ کہنے لگا کہ جنازے میں ایسے ایسے بزرگ بھی شامل تھے جو مکمل طور پر گوشہ نہیں ہیں۔ اسکے دوست، دھاڑیں مار مار کر رورہے تھے۔ مدین کے بعد، ایک دوست نزدیک آیا۔ ساتھ اسکی بزرگ والدہ تھیں۔ کہا، کہ میری والدہ کو اپنی والدہ ہی سمجھو۔ کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ صوفی نے میرے سامنے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کیے۔ بول رہا تھا کہ دوست اسیلے رو رہے تھے کہ ان تمام نے والدہ کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے برسوں تک کھائے تھے۔ انہیں اپنے گھر جیسی محبت نصیب ہوئی تھی۔ بہر حال درویش مسلسل صوفی کے ساتھ رہے اور آج کل بھی اسکے گھر آتے رہتے ہیں۔ آج درویش کے متعلق کچھ نہیں لکھونگا۔ لکھوں

بھی کیسے۔ آج تک سمجھ ہی نہیں پایا کہ دراصل یہ صاحبِ کمال انسان ہے کیا۔ اب تو وہ نیند اور غذا سے تقریباً مبراہو چکے ہیں۔ ذکرِ الہی ہے اور عام لوگوں کی ہر دم خدمت در خدمت ہے۔ مگر درویش، دراصل ایک ڈاکو ہے۔ جو آپ کا گیان، خیال، عقل اور ایمان چرا کراپی جیب میں ڈال لیتا ہے۔ اسکے بعد اپنی مرضی سے واپس کرتا ہے۔ سودسمیت۔ دو گناہ گناہ کر کے۔ بلکہ کسی شمار کے بغیر۔

تقریباً ایک ماہ پہلے صوفی کوفون کیا کہ ملاقات نہیں ہو رہی۔ کافی وقہ آچکا ہے۔ صوفی اپنی روایتی ہنسی کے بعد کہنے لگا کہ آپ تو ہر وقت میری دعاؤں میں ہیں۔ ہاں اب ملاقات، کئی گھنٹوں پر محیط ہو گی۔ کسی بھی بات چیت اور بولے بغیر۔ اصل دوستی اور تعلق ہے ہی یہی کہ ایک دوسرے کی خاموشی کی زبان سمجھی جائے۔ ویسے لوگ تو الفاظ استعمال کر کے باتیں کرتے ہیں۔ مگر اصل گویائی تو سکوت ہے۔ خاموشی کرہ ارض اور افلاک کی سب سے بڑی، گھری اور مستند زبان ہے۔ مگر اسکو سمجھنے کیلئے جو ہر قابل چاہیے۔ یہ ہر خاص و عام کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسری نظر سے دیکھا جائے تو مراقبہ کی اصل بنیاد سکوت ہے۔ کامل سکوت۔ بزرگ بتاتے ہیں کہ ایمان ہی کا ایک درجہ ہے جب صاحبِ دل، خیال کی پرواز سے ہر چیز پر حاوی ہو جاتا ہے۔ علم پر، زمانے پر، وقت پر اور شائد زندگی پر بھی۔ تصوف کی راہ پر چلنے والے قافلے کے لوگ عشق کے دامن سے چمٹے رہتے ہیں۔ دنیاداری کے کام بھی انصاف سے کرتے ہیں۔ ذمہ داریاں بھی پوری ہوتی ہیں۔ مگر ان تمام آلاتوں سے بچا کر صاف آگے نکل جاتے ہیں۔ عشق کی آگ میں سلگتے ہوئے یہ لوگ انتہائی محترم ہوتے ہیں۔ آگ کی تیپش کو چہرے پر نہیں آنے دیتے۔ معلوم ہی نہیں ہونے دیتے کہ اندر کیا قیامت برپا ہے۔ روح کے اندر تھہ در تھہ لگی ہوئی آتش نہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

گوری سوئے تج پر منکھ پر ڈالے کیس

چل خسرو گھر آپنے رہن بھئی چودلیں (حضرت امیر خسرو)

مسئلہ یہ ہے کہ راہِ سلوک کے مسافروں کی داخلی کیفیت کسی کی بھی سمجھ سے باہر ہے۔ شائد انکی اپنی فہم سے بھی گریزاں۔ یہ لوگ کون ہیں۔ وحدت کے راستے میں ٹھوکریں کھا کھا کر سنبھلتے ہیں، کرتے ہیں مگر ان پاس فرقہ یہم جاری رکھتے ہیں۔ کسی کو کچھ جاتاتے ہی نہیں۔ بتاتے ہی نہیں کہ اندرخانہ کیا معاملات چل رہے ہیں۔ سادہ نظر آنے والے یہ لوگ قطعاً سادہ نہیں ہیں۔ عجیب بات ہے کہ میں سائنس کی دنیا کا آدمی ہوں۔ ان لوگوں سے کوئوں دور بھاگتا ہوں۔ مگر پھر بھی کسی نہ کسی طرح یہ میرے سامنے آ جاتے ہیں یا میں انکی ان دیکھی گرفت میں آ جاتا ہوں۔ ان سے ملتا ہوں تو کوئی بات نہیں پوچھتا۔ اسلیے کہ علم تو انسان کو ہر جگہ نہیں پہنچا سکتا۔ علم سے آگے کی دنیا بے حد خوبصورت اور پُر کشش ہے۔ یہ عشق کی وادی ہے جہاں عقل کوشش کے باوجود نہیں پہنچ سکتی۔ شائد عقل کو عشق کے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہونے کی اجازت تک نہیں ہے۔ مگر میرا اپنے آپ سے سوال ہے کہ میرے جیسا عمل اور عمل کی دنیا کا آدمی خود بخود ان بابوں کے پاس کیسے پہنچ جاتا ہے۔ ہر طرف راز ہے۔ ان کی ہی ہے۔ اسرار ہے۔ یہ سب کچھ پوشیدہ ہی رہے تو سب سے بہتر۔

راو منظر حیات

